امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
حیات و فقہی کارنامے

مشتاق احمد قریشی

فقہی مسائل:

فقہ کا ایک بڑا حصہ دنیوی ضرورتوں سے متعلق ہے جس میں مجتہدین کا اپنا اپنا نکتہ نظر کھل کر سامنے آیا ہے جس سے ان کی نکتہ شناسی کا درست اندازہ ہو سکتا ہے۔ امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہؒ کے زمانے تک معاملات کے احکام بالکل ابتدائی حالت میں تھے نہ تو معاہدات کے استحکام کے قواعد وضوابط ضابطہ تحریر میں آسکے تھے اور نہ ہی دستاویزات کی تحریر کا کوئی اصول قائم ہو سکا تھا اور نہ ہی شہادت کا کوئی قانون باقاعدہ مقرر تھا۔ امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہؒ وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے ان چیزوں کے قانون کو تحریری صورت دی۔

فقہ کا ایک بڑا حصہ حلال وحرام، جائز و ناجائز کی تفصیل کے متعلق ہے آئمہ ومجتہدین کے بہت سے ایسے مسائل ہیں جن پر اگر عمل ہو تو زندگی دشوار ہو کر رہ جائے جبکہ امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہؒ کے احکام ان ہی مسائل پر نہایت آسان اور سہل ہیں جیسے کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک جو پانی اپلوں کی آگ پر گرم کیا گیا ہو اس سے غسل اور وضو کرنا جائز نہیں ہے۔ ایسے ہی مٹی کے برتن میں اپلوں کی آگ پر پکایا گیا کھانا ناجائز ہے اسی طرح رانگ، کانچ (شیشے) یعنی بلور عقیق کے برتنوں کا استعمال ناجائز ہے۔ پشمینہ، آمور، پوستین وغیرہ کا استعمال کرنا ناجائز ہے اور ان کو پہن کر نماز نہیں ہو سکتی اور اگر برتنوں، کرسیوں زمین پر چاندی کا کام ہو تو ان کا استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ خرید و فروخت کا عام طریقہ جس میں بیع وشرا کی تصریح نہیں کی جاتی وہ بھی ناجائز ہے جبکہ ان تمام مسائل میں سب چیزیں جو امام شافعیؒ کے نزدیک ناجائز ہیں، وہ سب فقہ حنفی میں جائز ہیں۔ حنفی فقہ دوسرے تمام فقہوں کی طرح تنگ اور سخت نہیں ہے۔

حضرت امام شافعی ہبہ کو ضروری نہیں سمجھتے، حق شفعہ ہمسائے کا حق ان کے یہاں جائز

نہیں ہے تمام معاملات میں مستور الحال شہادت کو وہ نا جائز قرار دیتے ہیں۔ ایسے ہی نکاح کے گواہوں کا ثقہ یعنی قطعی عادل ہونا ضروری ہے ورنہ نکاح ہی منعقد نہیں ہوگا۔ ذمیوں (ایسے غیر مسلم جو ٹیکس دے کر مسلم ریاست میں رہتے ہیں) کے باہمی معالات میں بھی ان کی شہادت کو جائز نہیں مانتے۔ ان تمام مسائل میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا حضرت امام شافعیؒ سے اختلاف ہے۔ ابن خلدون کے مطابق امام مالکؒ و شافعیؒ کا مسلک ایسے ممالک میں رواج پا سکا ہے جہاں تمدن نے وسعت حاصل نہیں کی تھی۔

سرقہ یعنی چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں رب کائنات کا حکم ہے لیکن مجتہدین نے چوری کی تعریف میں چند شرائط اور پابندیاں لگا لی ہیں جن کے بغیر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جاسکتی ان شرائط کو جاننے سے پہلے ہم قرآنی حکم کی جانب رجوع کرتے ہیں۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ O

ترجمہ: اور چور، خواہ مرد ہو یا عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا (المائدہ:۳۸)

فقہا کے نزدیک چوری کی سزا کا یہ حکم عام ہے چاہے چوری تھوڑی ہو یا زیادہ چیز کی۔ ایسے ہی محفوظ جگہ رکھی ہو یا غیر محفوظ جگہ ہر صورت میں چوری کی سزا دی جائے گی۔

فقہا میں سزا کے نصاب کے تعین میں اختلاف ہے کہ کتنے مال کی چوری ہو تو ہاتھ کاٹا جائے۔ اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی کہ ایک ڈھال کی قیمت سے کم کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مبارک میں ایک ڈھال کی قیمت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق دس درہم تھی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق تین درہم تھی اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ پانچ درہم تھی ۔جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ چوتھائی دینار، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایات کے اس اختلاف کے باعث فقہا کے درمیان کم سے کم نصاب سرقہ (چوری) میں اختلاف پیدا ہوا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چوری یعنی سرقہ کا نصاب دس درہم ہے جبکہ حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ایک چوتھائی دینار (اس

زمانے کے مطابق ایک چوتھائی دینار تین درہم کے برابر ہوتا تھا)

بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں جن کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جاتی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے کہ پھل، ترکاری کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ کھانے کی چوری میں قطع ید نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حقیر چیزوں کی چوری می ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے صحابہ کرام میں سے کسی نے کبھی اس پر اختلاف نہیں کیا۔ ایسے ہی پرندے کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے چوری کرنے والے کا ہاتھ بھی نہیں کاٹا اس معاملے میں بھی صحابہ کرام کا کوئی اختلاف سامنے نہیں آیا۔ ذیل میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور دیگر آئمہ کا چوری کے مسائل پر ہونے والے اختلاف کو ظاہر کر رہے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق مسائل سرقہ وسزا	دیگر آئمہ کے مطابق مسائل سرقہ وسزا
(۱) ترکاری، پھل، گوشت، پکا ہوا کھانا، غلہ جس کا ابھی کھلیانہ کیا گیا ہو (سزا نہیں دی جائیگی)	امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ہر ایک کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ (سزا ملے گی)
(۲) کھیل اور گانے بجانے کے آلات کی چوری (سزا نہیں دی جائے گی)	امام مالکؒ کے نزدیک سزا ہے (سزا ملے گی)
(۳) جنگل میں چرتے ہوئے جانور کی چوری اور بیت المال کی چوری (سزا نہیں دی جائے گی)	دیگر آئمہ کے نزدیک سزا ملے گی۔
(۴) چوری (سرقہ) کا نصاب کم از کم ایک اشرفی ہے اگر ایک نصاب میں کئی چوروں کا ساجھا ہے تو کسی کے ہاتھ نہیں کٹے گا۔	امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ہاتھ کٹے گا۔
(۵) نادان بچے پر قطع ید نہیں ہے۔	امام مالکؒ کے نزدیک کٹے گا۔ (سزا ملے گی)
(۶) کفن چور پر قطع ید نہیں ہے۔	دیگر آئمہ کے نزدیک ہاتھ کٹے گا۔ (سزا ملے گی)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ: امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہوجاتا۔

(۷) میاں بیوی اگر ایک دوسرے کا مال چرائیں تو قطع ید نہیں	امام مالکؒ کے نزدیک ہاتھ کٹے گا۔ (سزا ملے گی)
(۸) بیٹا اگر باپ کا مال چرائے تو ہاتھ نہیں کٹے گا۔	امام مالکؒ کے نزدیک ہاتھ کٹے گا۔(سزا ملے گی)
(۹) چچا، بھائی یعنی قریبی رشتہ دار، ہاتھ نہیں کٹے گا۔	دیگر آئمہ کے نزدیک ہاتھ کٹے گا۔
(۱۰) اگر کسی شخص نے کسی سے کوئی چیز ادھار لی اور دینے سے انکار کردے تو ہاتھ نہیں کٹے گا۔	دیگر آئمہ کے نزدیک ہاتھ کٹے گا(سزا ملے گی)
(۱۱) ایک شخص نے کوئی چیز چرالی پھر ہبہ یا بیع کے ذریعے اس کا مالک بن گیا تو قطع ید نہیں ہوگا۔	دیگر آئمہ کے نزدیک ہاتھ کٹے گا۔
(۱۲) غیر مذاہب کے لوگ اسلامی حکومت میں رہتے ہیں اگر چوری کرلیں تو ان کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔	دیگر آئمہ کے نزدیک ہاتھ کٹے گا۔(سزا ملے گی)
(۱۳) قرآن کی چوری پر ہاتھ نہیں کٹے گا	امام شافعیؒ کے نزدیک ہاتھ کٹے گا۔
(۱۴) لکڑی یا ایسی چیزیں جو جلد خراب ہو جاتی ہیں ان کی چوری پر ہاتھ نہیں کٹے گا۔	دیگر آئمہ کے نزدیک ہاتھ کٹے گا۔(سزا ملے گی)

قطع ید کی سزا میں دونوں ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔ پہلی بار چوری کرنے پر سیدھا ہاتھ کاٹا جائیگا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح کے مطابق سرقہ یعنی چوری کا اطلاق خیانت پر نہیں ہوتا صرف اس فعل پر ہوتا ہے کہ انسان کسی دوسرے کی حفاظت میں سے مال نکال کر اپنے قبضے میں کرلے۔

آج کے معاشرے میں اکثر اسلام سے ناواقف افراد اور خصوصاً اسلام دشمن اسلامی سزاؤں کو ظالمانہ کہنے سے بھی نہیں چوکتے حالانکہ اسلام ایک ایسا نظام حیات ہے جو تمام شعبہ ہائے زندگی پہ حاوی ہے۔ اسلام لوگوں کے ضمیر اور اخلاق کی تربیت پر زور دیتا ہے اور رزق حلال اور حلال کمائی و روزگار پر زور دیتا ہے۔ اور حلال روزی کو اسلامی تعلیمات کے مطابق حاصل کرنے کے طریقے بتاتا ہے۔ اگر کسی کو روزگار نہ ملے تو اسلامی نظام حیات لوگوں کی ضروریات کی فراہمی کا انتظام کرتا ہے (صدقات، خیرات، زکوٰۃ، بیت المال) اسلام پاک صاف اور حلال ذرائع فراہم کرتا

(فقہ المعاملات پر اپنی نوعیت کا پہلا علمی وتحقیقی مجلّہ آپ کے ہاتھ میں ہے)

ہے تاکہ اہل ایمان کی کفالت ہو سکے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے نظام حیات و معاشرے میں اگر کوئی چوری کرتا ہے تو کیوں کرتا ہے اکثر لوگ چوری ضروریات زندگی کے لئے نہیں بلکہ دولت کے حصول اور جمع کرنے کے لئے کرتے ہیں کیونکہ وہ دولت کو حلال ذرائع سے حاصل کر کے جمع نہیں کر سکتے اس لئے چوری کا راستہ اپناتے ہیں اور دوسروں کی دولت چراتے ہیں۔ اسلام اپنے معاشرے کو پرامن پرسکون بناتا ہے لیکن ایسے لوگ معاشرے میں بے چینی و اضطراب پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں جبکہ اسلامی معاشرے کا یہ حق ہے کہ وہ پرسکون اور پرامن طور پر جاری و ساری رہے لیکن چور اور اس کی چوری کا فعل ایک حلال مال کے مالک کو اسکے حق ملکیت سے محروم کرتا ہے اس لئے ایسے شخص کو سزا دینی ہی چاہیے تاکہ اسلامی معاشرے میں ایسا سوچنے والے عبرت حاصل کریں اور اسلامی معاشرہ بے چینی ، بے کلی ، بدامنی سے محفوظ و مامون رہ سکے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن حکیم میں تمام باطل طریقوں سے مال کے حصول سے روک رہا ہے جیسا کہ النساء آیت ۲۹ میں فرمایا جا رہا ہے (ترجمہ) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ لین دین ہونا چاہیے آپس کی رضامندی سے اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر مہربان ہے۔

آیت مبارکہ میں باطل طریقوں سے مراد وہ تمام طریقے ہیں جو خلاف حق ہیں جو شرعاً، اخلاقاً ناجائز ہیں تاکید کی جارہی ہے کہ دوسروں کا مال ناجائز طور پر کھانا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے کیونکہ اس طرح دنیا میں نظام تمدن خراب ہوتا ہے یہ تاکید بھی کی جارہی ہے اللہ تبارک و تعالیٰ تمہارا خیر خواہ اور مہربان ہے، وہ تمہاری بھلائی خیر خواہی چاہتا ہے یہ تو اس کی مہربانی اور احسان ہے کہ تمہیں ایسے تمام برے کاموں سے منع فرما رہا ہے۔ جن سے تمہاری تباہی و بربادی کا سامان ہوتا ہے۔

مسئلہ: حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عورت (اپنی عورت یعنی بیوی) کو صرف چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ جبکہ حضرت امام شافعیؒ اس کے مخالف ہیں ان کے نزدیک صرف چھونے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

مسئلہ: حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ ایک تیمّم سے کئی فرض ادا ہو سکتے ہیں جبکہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کی رائے کے مطابق ہر فرض کیلئے نیا تیمّم کرنا چاہیے۔ اس مسئلے

میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا استدلال یہی ہے کہ جو حیثیت وضو کے حکم کی ہے وہی تیمم کی ہے جب ہر نماز کیلئے وضو کی ضرورت نہیں (اگر وضو ہے) تو تیمم کی تجدید کی بھی ضرورت نہیں۔

مسئلہ: حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر تیمم کر کے نماز پڑھنے والے شخص کو نماز کے دوران ہی پانی میسر آجائے تو اس کا تیمم ختم ہو جائے گا۔ اسے وضو کرنا ہوگا۔ جبکہ امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اس کے مخالف ہیں۔ حضرت ابوحنیفہؒ کا استدلال یہ ہے کہ قرآن مجید میں تیمم کا جواز اس قید کے ساتھ مشروط ہے کہ جب پانی نہ ملے لیکن جب یہ شرط باقی ہی نہ رہے یعنی پانی میسر آجائے تو مشروط بھی باقی نہ رہے گا یعنی تیمم ختم ہو جائے گا۔

مسئلہ: حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق تکبیر تحریمہ صرف اللہ اکبر پر منحصر نہیں ہے۔ فارسی زبان میں تکبیر کہنا بھی درست ہے جبکہ امام شافعیؒ اس کی مخالفت کرتے ہیں، حضرت امام ابو حنیفہؒ کا استدلال یہ ہے کہ جس آیت کریمہ سے تکبیر کی فرضیت ثابت کی گئی ہے اس میں زبان کی کوئی خصوصیت نہیں اس لئے نماز کا وجود تکبیر سے موخر ہونا ضروری ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ تکبیر تحریمہ گو کہ فرض ہے لیکن نماز میں داخل نہیں اور نہ ہی جزو نماز ہے؟

مسئلہ: حضرت امام اعظمؒ کا قول ہے کہ مقتدی کے لئے قرات فاتحہ ضروری نہیں جبکہ حضرت امام شافعیؒ اور امام بخاریؒ قرأت فاتحہ کو مقتدی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔

اس سلسلے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا یہ استدلال ہے کہ قرآن حکیم میں کہا گیا ''جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور چپکے رہو۔'' اگر چہ اس آیت سے سری (خاموشی یعنی ظہر اور عصر کی نماز ہے) نمازوں میں بھی مقتدی کے لئے ترک قرأت کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ لیکن خاص کر جہری نماز کے لئے نص قطعی ہے جس کی کوئی تاویل نہیں ہوسکتی۔

مسئلہ: حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک میں وضو کے صرف چار فرض ہیں جن کا ذکر قرآن حکیم کی سورۃ المائدہ میں موجود ہے۔ جبکہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک چھ فرض ہیں۔ وہ نیت اور ترتیب جبکہ حضرت امام مالکؒ موالاۃ کو فرض کہتے ہیں۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک وضو کے وقت بسم اللہ کہنا ضروری ہے اگر جان بوجھ کر قصداً بسم اللہ نہ کہی تو وضو ہی نہیں ہوگا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا اس بارے میں استدلال ہے قرآن حکیم میں صرف چار فرائض مذکور ہیں اس لئے جو چیزیں ان احکام کے علاوہ ہیں وہ فرض نہیں ہوسکتی کیونکہ نیت کرنے کا

موالات اور تسمیہ کا قرآن کریم کی آیت میں کہیں ذکر نہیں اور ترتیب کا گمان واؤ کے حرف سے پیدا ہوتا ہے لیکن علماء عربی نے متفقہ طور پر طے کر دیا ہے کہ واؤ کے مفہوم میں ترتیب نہیں آتی۔

مسئلہ: مردہ یا مردار کے کیا معنی ہیں؟ حضرت امام ابو حنیفہؒ اس کے عام معنی ہی لیتے ہیں جن کا اطلاق عام ہے جبکہ حضرت امام شافعیؒ نے اسے وسعت دی ہے۔ ان کے نزدیک مردار جانوروں کے بال اور ہڈیوں تک کو وہ مردہ قرار دیتے ہیں اسی وجہ سے ہی ان کی رائے میں ان تمام چیزوں کا استعمال جائز نہیں اور حضرت امام مالکؒ مردار جانور کے بال اور کھال کو کام میں لانا جائز قرار دیتے ہیں لیکن ہڈیوں کا استعمال ان کے نزدیک حرام ہے۔

مسئلہ: خون جو کو قرآن مجید کی آیت میں حرام قرار دیا گیا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مسفوح (ذبح کے وقت جو خون جانور سے نکلتا ہے وہ حرام ہے) لیکن صرف ایسا خون جس خون میں روانی ہو اس بنا پر مچھلی کا خون وہ حرام نہیں کہتے جبکہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک کوئی تخصیص نہیں ہر قسم کا خون حرام ہے۔ امام اعظمؒ کا استدلال ہے کہ قرآن حکیم میں ہی اللہ تبارک وتعالیٰ نے وضاحت فرما دی ہے۔ خون کی حرمت یعنی حرام ہونے کو مسفوح یعنی گرا ہوا ہونے کے ساتھ قید کر دیا ہے۔

مسئلہ: کھانے میں بغاوت سے کیا مراد ہے؟ حضرت امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ کھانے میں بغاوت سے مراد ہے کہ کوئی شخص بھوک سے ایسا مجبور ہو اور جاں بلب ہو کہ زندگی کے لالے پڑ رہے ہوں تو اس کو مردار اور سور کا گوشت کھانا جائز ہے لیکن اس شرط پر کہ اس کی مقدار سد رمق ہو یعنی اس قدر کھانا جس سے دن گزر جائے یا اتنا کھانا کہ جس سے جان بچ جائے۔ جبکہ حضرت امام شافعیؒ بغاوت اور عدوان سے مراد لیتے ہیں کہ اس شخص نے سلطان وقت سے بغاوت کی ہو اور گناہ گار ہو تو بھی وہ باغی اگر فاقہ سے جاں بلب ہو تو بھی مردار نہیں کھا سکتا ہے۔ جبکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جاں بلب فاقہ زدہ مردہ یا سور کا گوشت بقدر سد رمق، جس سے دن گزر سکتا ہو کھا سکتا ہے جبکہ امام شافعیؒ کے مطابق اگر وہ باغی نہ ہوتا اور گناہ گار نہ ہوتا تب فاقے کی حالت میں وہ مردار کھا سکتا تھا لیکن بغاوت کی حالت میں اس کو اجازت نہیں ہے۔

اسی مسئلے سے متعلق ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر ایک شخص پیاس کے باعث جاں بلب ہو

اور ایسے وقت میں اسے شراب کے علاوہ اور کوئی ایسی چیز دستیاب نہ ہو جسے پی کر اس کی پیاس بجھ سکے یا پیاس کا مداوا ہو سکے تو اسے اپنی پیاس بجھانے کے لئے ایسی حالت میں شراب پینے کی اجازت ہے کہ نہیں؟ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایسی حالت میں وہ جان بچانے کے لئے شراب پی سکتا ہے جبکہ حضرت امام شافعیؒ اس کی اجازت نہیں دیتے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے استدلال کے مطابق قرآن کریم نے جس حالت میں حرام یا مردار کھانے کی اجازت دی ہے اس اعتبار سے دونوں کی علت مشترک ہے یعنی حفاظت نفس اور اس حکم کے مشترک نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

مسئلہ: قصاص یعنی قتل عمد کے بدلے میں مالی یا جانی معاوضہ لینا۔ قصاص کی تشریح جس طرح حضرت امام ابو حنیفہؒ نے کی ہے کسی مجتہد نے نہیں کی۔ زمانہ جاہلیت میں قصاص کے جو قاعدے رائج تھے وہ نہایت نا انصافی اور جہالت پر مبنی تھے۔ اسلام نے نا صرف ان کی اصلاح کی اور اس سلسلے میں احکام بھی مقرر کئے جن کے باعث تمام مسائل کھل کر سامنے آگئے۔ قصاص کے بارے میں سورۃ البقرہ کی آیت ۱۷۸ میں اللہ تبارک تعالیٰ حکم فرما رہا ہے۔

ترجمہ:۔ اے ایمان والوں! تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے، آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، عورت کے بدلے عورت، ہاں جس کسی کو اس کے بھائی کی طرف سے معافی دے دی جائے اسے بھلائی کی اتباع کرنی چاہیے اور آسانی کے ساتھ دیت ادا کرنی چاہیے۔ تمہارے رب کی یہ تخفیف اور رحمت ہے۔ اس کے بعد بھی جو سرکشی کرے اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (البقرۃ۔ ۱۷۸)

زمانہ جاہلیت مین یہ طریقہ تھا کہ مقتول کی قوم قبیلے کے لوگ اپنے مقتول کے خون کو جتنا اہم اور قیمتی سمجھتے تھے اتنی ہی اس خون کی قیمت لگا کر قاتل کے خاندان قوم قبیلے سے وصول کرنا چاہتے تھے۔ صرف قاتل کی جان لے لینے سے مطمئن نہیں ہوتے تھے بلکہ اپنے ایک آدمی کا بدلہ قاتل کی پوری قوم قبیلے سے لینا چاہتے تھے اور بیسیوں آدمیوں کو مار کر بھی ان کا دل ٹھنڈا نہیں ہوتا تھا۔ یہ بھی ہوتا تھا کہ دوسرے قبیلے سے قصاص لینے کے لئے اپنے غلام کے بدلے دوسرے قبیلے کے آزاد فرد کو اور اپنی عورت کے بدلے ان کے مرد کو اور اپنے ایک مرد مقتول کے بدلے دوسرے قبیلے کے دو مردوں کو قتل کرتے تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قصاص کا حکم عام صادر فرما کر ہر قتل کے قصاص کا تعین فرما دیا ہے

اس سے یہ بات واضح ہوگی کہ قصاص کا حکم کسی طرح کی تبدیلی کا متحمل نہیں ہے۔قاتل مقتول کے بدلے میں لازماً مارا جائے گا۔ اسلام سے پہلے لازماً ایسا ہی ہوتا تھا لیکن قرآن حکیم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ''بھائی'' کا لفظ استعمال کر کے شفقت ترس کے طریقوں کا اظہار کیا ہے چاہے دوسرے شخص سے کیسی ہی دشمنی کیوں نہ ہو مگر وہ تمہارا دینی اخلاقی انسانی رشتوں سے بھائی ہے اگر مقتول کے ورثا اپنے خطا کار بھائی قاتل کے مقابلے میں اپنے غصے کو پی جائیں اور انتقامی جذبے پر قابو پا کر قاتل کی جان کو معاف کر دیں یا مقتول کے خون کے بدلے دیت یعنی معاوضہ مقرر کر لیں۔اس آیت مبارکہ کے اس حصے سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ قرآن حکیم اور اسلامی قانون تعزیرات میں قتل کا معاملہ قابل راضی نامہ ہے۔مقتول کے وارثوں کو یہ حق ہے کہ وہ قاتل کو معاف کر دیں۔ اور آیت مبارکہ میں دیئے ہوئے نسخے کے مطابق مقتول کا خون بہا لے لیں۔ چونکہ مقتول کے ورثا نے قاتل کے ساتھ اس کی جان بخشی کر کے اس پر احسان کیا ہے اس احسان کو نہ صرف یاد رکھے بلکہ طے ہونے والا خون بہا بھی مقتول کے وارثوں کو اچھی طرح طے شدہ معاہدے کے مطابق ادا کرے اور کسی طرح کی احسان فراموشی نہ کرے۔

امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ کا معمول تھا کہ جو احکام قرآن کریم سے صاف اور صریح ثابت ہوں ان میں کوئی رائے یا اختلاف کی ضرورت نہیں وہ قرآنی احکام کے قائل تھے۔جبکہ حضرت امام شافعیؒ نے بعض مسائل میں اختلاف کیا ہے جیسا کہ البقرۃ کی آیت میں کہا گیا ہے کہ غلام کے بدلے غلام اور آزاد کے بدلے آزاد لیکن اگر کسی آزاد شخص نے کسی غلام کو قتل کر دیا ہو یا کسی غلام نے آزاد فرد کو قتل کر دیا ہو حضرت امام شافعیؒ امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک کے مطابق غلام کے بدلے آزاد اور آزاد کے بدلے غلام قتل نہیں کیا جا سکتا ان کی اس رائے کے مطابق تو عورت کے بدلے مرد بھی قتل نہیں کیا جا سکتا لیکن ایسا نہیں ہے۔

دوسرا اختلاف امام شافعیؒ ذمی (ایسا غیر مسلم جو اسلامی ریاست میں ٹیکس دے کر رہتا ہو) کی دیت میں کرتے ہیں اور اسے مسلمان کی دیت سے کم قرار دیتے ہیں حالانکہ قرآن حکیم میں دیت کے جو الفاظ رب کریم نے مومن کے حق میں استعمال کئے ہیں وہی ان لوگوں کے حق میں بھی ارشاد کئے جو مسلمانوں سے معاہدے رکھتے ہیں۔ یہ اسلام کی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت ہے کہ اس نے ایک مسلمان اور ذمی کے حقوق کو برابر رکھا۔امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ کے نزدیک قتل عمد کی حالت میں

کفارہ لازم نہیں ہے صرف قصاص ہے جبکہ حضرت امام شافعیؒ قصاص و کفارہ دونوں کو لازمی قرار دیتے ہیں جبکہ قرآن حکیم میں کفارے کا حکم قتل خطا کے لئے آیا ہے قتل عمد میں کفارے کا ذکر نہیں ہے۔ ایسے ہی حضرت امام شافعیؒ قتل عمد کی حالت میں بھی مالی معاوضہ ادا کرنا کافی سمجھتے ہیں جبکہ قرآن حکیم میں قتل عمد کے لئے قصاص کا حکم ہے۔

وراثت: وراثت کے معاملات کے بارے میں جو احکام قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے نافذ فرما دیئے ہیں امام ابوحنیفہؒ دیگر مسائل و معاملات کی مانند اس پر بھی احکام الٰہی کے تابع فرمان ہیں۔ ہاں ان کی ذیلی شقوں اور ان حقوق وراثت کے بارے میں جن کا ذکر قرآن کریم میں نہیں آیا دیگر آئمہ سے کسی قدر اختلاف کرتے ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے جو طریقہ اختیار کیا وہ پوری طرح قرآن سے ثابت ہے۔ قرآن حکیم میں جو وراثت کے قاعدے مقرر کئے ہیں وہ تمام دیگر مذاہب عالم سے مختلف اور الگ ہیں لیکن قانون وراثت اسلام کے مکمل آئینہ دار اور مستحکم ہیں اس میں کسی دلیل کی گنجائش اللہ تبارک وتعالیٰ نے رہنے ہی نہیں دی جیسا کہ سورۃ النساء میں آیا ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ص
وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ
مِنْهُ اَوْ كَثُرَط نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا ○

ترجمہ: مردوں کے لئے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، اور عورتوں کے لئے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، خواہ مال تھوڑا ہو یا بہت اور یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے۔ (النساء)

آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ وراثت یا ترکہ یا میراث کے بارے میں واضح احکام دے رہا ہے اس آیت میں واضح طور پر میراث کے پانچ قانونی حکم صادر کئے گئے ہیں۔ (۱) ایک یہ میراث صرف مردوں کا ہی حصہ نہیں ہے بلکہ عورتیں بھی اس کی حق دار ہیں۔ (۲) دوسرے یہ کہ میراث بہرحال تقسیم ہونی چاہیے خواہ وہ کتنی ہی کم ہو حتیٰ کہ اگر مرنے والے نے صرف ایک گز کپڑا ہی کیوں نہ چھوڑا ہو اگر مرنے والے کے دس وارث ہوں تو اس کپڑے کو وارثوں کے حق کے مطابق لا

زمی تقسیم ہونا چاہیے۔ اس میں یہ بھی ممکن صورت ہو سکتی ہے کہ کوئی ایک وارث جو صاحب مال یعنی دولت مند ہو وہ دوسرے وارثوں سے ان کے حصے کی قیمت ادا کر کے ان کا حصہ خرید لے اور اپنی ملکیت بنا لے۔ (۳) تیسرے اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہو رہی ہے کہ وراثت کا قانون ہر قسم کے مال، اموال و املاک پر جاری ہوگا جو کچھ بھی مرنے والے کی ملکیت میں تھا چاہے وہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ۔ زرعی ہو یا صنعتی یا کسی اور صنف مال میں شمار ہوتا ہو یعنی شیئر بانڈ وغیرہ غرض جو کچھ بھی اور جیسا بھی ہوگا وہ مرنے والے کے ورثا میں حق و انصاف کے ساتھ تقسیم ہونا لازمی امر ہے۔ (۴) چوتھے اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق وراثت اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب مرنے والا کوئی چیز کوئی مال و دولت چھوڑ کر مرے۔ (۵) پانچواں قانون اس سے یہ بھی نکلتا ہے کہ قریبی رشتہ داروں کی موجودگی میں دور پرے کے رشتہ دار میراث کے حق دار نہیں ہوں گے۔

اسلام سے قبل یہ ظلم اور رواج تھا کہ میراث صرف مردوں کا حق سمجھا جاتا تھا۔ وراثت کا حصہ صرف بڑے لڑکے جو لڑنے کے قابل ہوتے سارے مال کے حق دار ہوتے تھے لیکن اسلام جو عدل و انصاف کا علمبردار اور تہذیب کا مذہب ہے اس نے مردوں کی طرح عورتوں، بچے بچیوں کو بھی والدین و اقارب کے مال میں حصہ دار بنایا ہے اس لئے انہیں وراثت سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام وراثت میں بھی تہذیب و شائستگی کی تعلیم دیتا ہے۔ جیسا کہ ذیل کی آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ اگر تقسیم ہونے والا مال و دولت اس قدر ہو کہ سب وارثوں کے حصے میں اچھا خاصا مال آرہا ہو تو اپنے کنبے کے یتیم وغریب افراد کو بھی اس مال وراثت میں سے دے دینا چاہیے۔ یہ اللہ کی طرف سے ہدایت عام ہے۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ
فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا○

ترجمہ: اور جب (وراثت) کی تقسیم کے موقع پر کنبہ کے لوگ اور یتیم اور مسکین آئیں تو اس مال میں سے ان کو بھی کچھ دو اور ان کے ساتھ بھلے مانسوں کی سی بات کرو۔ (النساء۔۸)

آیت مبارکہ میں مرنے والے کے وارثوں کو واضح ہدایت دی جا رہی ہے کہ تقسیم میراث کے موقع پر اگر دور نزدیک کے غریب مسکین رشتہ دار اور یتیم بچے آجائیں تو ان کے ساتھ تنگ دلی کا

مظاہرہ نہ کیا جائے کیونکہ مرنے والے کی میراث میں شرع کے قانون وقاعدے کے مطابق ان کا حصہ گو کہ نہیں ہے تو کوئی بات نہیں لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت فرمارہے ہیں کہ وسعت قلب سے کام لے کر ترکہ میں سے ان لوگوں کو بھی کچھ نہ کچھ دے دو ان کے ساتھ نرم رویہ رکھو دل شکنی اور چھوٹے دل اور کم ظرفی کی بات نہ کرو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت میں ایک بہت ہی اہم اخلاقی ہدایت فرمائی ہے امداد کے مستحق ایسے رشتہ دار جو وراثت میں تو حصہ دار نہ ہو لیکن ضرورت مند ہوں انہیں بھی تقسیم میراث کے وقت کچھ نہ کچھ دے دینا چاہیے تا کہ اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو سکے اگر یہ لوگ اس طرح تھوڑا سا دینے پر راضی نہ ہوں اور دوسروں کے برابر حصے کا مطالبہ کریں تو انہیں نرمی سے سمجھا دینا چاہیے کیونکہ ان کا مطالبہ قانون شرع کے خلاف اور غیر منصفانہ ہوگا جسے پورا کرنے کی گنجائش ممکن نہیں لیکن انہیں اس طرح سمجھایا جائے کہ ان کی دل شکنی نہ ہو (معارف القرآن)۔ اس کے بعد آنے والی آیت مبارکہ میں تمام اہل ایمان کو تنبیہ کی جارہی ہے بتایا جارہا ہے کہ اگر انہیں موت آجائے اور ان کے پیچھے ان کے وارث ناتواں کمزور ہوں یا نادان بچے ہوں تو پھر ان کا کیا ہوگا، ذیل میں ہم آیت کا ترجمہ دے رہے ہیں۔

ترجمہ: لوگوں کو اس بات کا خیال کر کے ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے بے بس
اولاد چھوڑتے تو مرتے وقت انہیں اپنے بچوں کے حق میں کیسے کیسے اندیشے
لاحق ہوتے۔ پس اللہ سے ڈر کر راستی کی بات کریں۔ (النساء۔۹)

اللہ تبارک وتعالیٰ اہل ایمان کو نصیحت فرمارہا ہے کہ اگر تم نے اپنی زندگی میں مساکین و غربا اور یتیموں کا خیال نہیں کیا تو کیا تم یہ سمجھتے ہو یا پسند کرو گے کہ خود تمہارے مرنے کے بعد تمہاری اولاد جو تمہارے مرتے وقت کمزور ناتواں یا کم عمر کی ہو وہ تمہارے ترکہ سے محروم رہ جائے۔ کوئی تمہارا ایسا رشتہ دار جو قوی ہو تمہارا ترکہ ہتھیالے اور تمہاری اولاد بے میراث بے یارومددگار رہ جائے کیا کوئی ایسا ہونا پسند کرے گا اس لئے یہ ضروری ہے کہ اپنی زندگی میں بھی ایسا عمل کرو جس سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہو اور احکام الٰہی کے مطابق اپنی زندگی کے معاملات چلائیں اور کسی کی کسی بھی طرح حق تلفی نہ کریں اور حق دار کے حق کو مقدم جانے اللہ تعالیٰ بڑا ہی مہربان اور رحیم وکریم ہے وہ اپنے تمام ہی بندوں سے بڑے کرم وفضل کا معاملہ کرتا ہے ہماری رہنمائی کے لئے ہی نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور کتاب الٰہی میں تمام احکام زندگی و معاملات زندگی

کھول کر بتا دیئے تا کہ اسلام جو شائستگی اور تہذیب کا دین مبین ہے کے ماننے والے کہیں پہلی امتوں کی مانند بھٹک نہ جائیں۔ وراثت کے معاملے کو بھی اللہ تعالیٰ نے خوب وضاحت سے قرآن حکیم میں بتا دیا ہے جیسا کہ آنے والی آیت مبارکہ میں کہا ہے۔

يُوصِيكُمُ اللهُ فِىٓ اَوْلَادِكُمْ ق لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ج فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ج وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ط وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ج فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ج فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ م بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِىْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ط اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ ج لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ط فَرِيْضَةً مِّنَ اللهِ ط اِنَّ اللهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا O

ترجمہ: تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے اگر (میت کی وارث عرف) دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو انہیں ترکے کا دوتہائی دیا جائے۔ 2/3 اور میت کے والدین اگر زندہ ہوں تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ (1/6) ملنا چاہیے۔ اور اگر میت صاحب اولاد نہ ہو (لا ولد) اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ دیا جائے اور اگر میت کے بھائی بہن بھی ہوں تو ماں چھٹے حصے کی حق دار ہوگی ۔ یہ تمام حصے اسی وقت نکالے جائیں گے جبکہ میت نے جو وصیت کی ہو پوری کر دی جائے اور اگر اس پر جو کچھ قرض ہو وہ ادا کر دیا جائے۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارے ماں باپ اور تمہاری اولاد میں کون بہ لحاظ نفع تم سے قریب تر ہے۔ یہ حصے تو اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیئے ہیں اور اللہ یقیناً سب حقیقتوں سے واقف اور ساری مصلحتوں کا جاننے والا ہے۔ (النساء۔۱۱)

میراث کے معاملے میں یہ اولین اصول قرآن کریم کے ذریعے اللہ تبارک و تعالیٰ نے

نافذ فرمادیا کہ مرد کا حصہ عورت کے حصے سے دوگنا ہے۔ یعنی دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگا۔ اس فیصلے کے بعد تمام وارثوں کے حصوں کی تقسیم اور تقرری کا طریقہ بتایا جارہا ہے۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے حتمی ہدایت و وصیت ہے کہ تم اپنی اولاد کے لئے جو ترکہ چھوڑو گے اسے کس طرح تقسیم کرنا ہے۔ یہ علم میراث کا اصل الاصول ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ماں باپ سے بھی کہیں زیادہ شفیق و مہربان ہے۔ وراثت کی تقسیم دراصل اللہ تعالیٰ کی وصیت ہے وہی تمام حصے مقرر کرتا اور تقسیم کرتا ہے جیسے وہ واجبات و فرائض مقرر کرتا ہے اور اس عظیم کائنات میں اپنی تمام مخلوقات کو روزی باہم پہنچاتا ہے۔ ایسے ہی وہ لوگوں میں ترکے تقسیم کرتا ہے۔

آیت مبارکہ میں ایسی صورت حال کا ذکر بھی ہے کہ اگر مرنے والے کا کوئی بیٹا نہ ہو اور اولاد میں صرف لڑکیاں ہی ہوں خواہ دو لڑکیاں ہوں یا دو سے زیادہ تو ہر صورت میں کل ترکے کا 2/3 حصہ ان لڑکیوں میں تقسیم ہوگا اور باقی 1/3 حصہ دوسرے وارثوں میں تقسیم ہوگا۔ اور اگر میت کا صرف ایک لڑکا ہی ہو تو اس پر تمام فقہا کا اجماع ہے کہ دوسرے وارثوں کی غیر موجودگی میں وہ تمام مال کا وارث ہوگا اور اگر دوسرے وارث موجود ہوں تو ان کا حصہ دینے کے بعد جو باقی بچے گا باقی سب مال اسے ملے گا اور اگر اولاد میں صرف ایک لڑکی ہو تو ترکہ کا نصف 1/2 اسے ملے گا باقی دوسرے ورثا میں تقسیم ہوگا یعنی مرنے والے کے باپ، دادا، بھائی، چچا پھر باپ دادا کی اولاد۔ ورثے کی تقسیم اس ترتیب سے ہوگی پہلے وصیت پوری کی جائے گی اگر مقروض تھا تو قرض ادا کیا جائے گا۔ دوم والدین سوم اولاد چہارم بھائی بہن۔

میت کے صاحب اولاد ہونے کی صورت میں میت کے والدین میں سے ہر ایک 1/6 اس کے باپ کو ملے گا اور اگر ماں باپ کے سوا مرنے والے کا کوئی اور وارث نہ ہو باقی کا 2/3 اس کے باپ کو ملے گا اور اگر دوسرے رشتہ دار موجود ہوں تو پھر اس 2/3 حصے میں مرنے والے کا باپ اور دیگر رشتہ دار وارث شریک ہوں گے یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اگر میت کے والدین زندہ ہوں تو ایسی صورت میں مرنے والے کے بہن بھائی کو ترکہ نہیں ملے گا۔

مرنے والے کی وصیت کو بہت اہمیت دی گئی ہے اسے قرض پر مقدم رکھا گیا ہے ایسا اس لئے کیا گیا ہے کہ ہر مرنے والے کا مقروض ہونا ضروری نہیں جبکہ وصیت کرنا ہر ایک کے لئے بہت ضروری ہے اور اہم ہے لیکن اگر مرنے والا مقروض تھا تو ترکہ میں سے سب سے پہلے اس کا قرض ادا

کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد وصیت کے مطابق عمل کیا جائے اور پھر وارثوں میں وراثت کی تقسیم ہوگی وصیت کے بارے میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ سے سورۃ البقرہ کی آیت ۱۸۰ میں حکم دیا ہے کہ کتنے مال کی وصیت کی جاسکتی ہے۔ وصیت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ نے کل مال کے 1/3 یعنی تہائی حصے کی وصیت کا اختیار دیا ہے سارے مال کی وصیت کا اسے بھی اختیار نہیں۔ کیونکہ اسلام ایک بڑا مہذب اور شائستگی، انسانیت، اخوت کا مذہب ہے اسلام میں کسی بھی طرح حق تلفی کا حکم نہیں ہے اس لئے ہی وصیت کا قاعدہ بھی قانون وراثت میں مقرر کر دیا گیا ہے۔ وصیت کرنے والا اپنے عزیزوں کو جن کو وراثت میں سے حصہ نہیں ملنے والا۔ مثلاً مرنے والے کے یتیم پوتا پوتی موجود ہوں یا کسی بیٹے کی بیوہ موجود ہو اور مصیبت کے دن کاٹ رہی ہو یا کوئی بھائی بہن یا بھاوج بھتیجا بھانجا یا کوئی اور عزیز ایسا ہو جو سہارے کا محتاج ہو تو ایسے افراد کے حق میں وصیت کے ذریعے حصہ مقرر کیا جاسکتا ہے اور اگر رشتہ داروں میں کوئی ایسا نہیں ہو تو دوسرے مستحقین اور رفاہ عام کے کام کرنے والوں کے لئے بھی وصیت کی جاسکتی ہے۔ یہ تمام وصیت کا عمل صرف کل مال ترکہ کا 1/3 سے زیادہ نہیں ہوگا شریعت نے میراث کا ضابطہ بنا دیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو حق تلفی، ظلم وزیادتی سے بچانے کے لئے تمام احکام میراث کو کھول کھول کر بیان فرما دیا ہے اگر کسی مرنے والے کی ایک بیوی ہو یا ایک سے زیادہ بیویاں ہوں اور اولاد بھی ہو تو اس صورت میں تمام یا اگر ایک ہے تو ایک ہی کو کل ترکہ کا 1/8 یعنی آٹھواں حصہ ملے گا اگر بیویاں ایک سے زیادہ ہوں تو سب بیویوں میں ملنے والے 1/8 حصے کی برابر کی تقسیم ہوگی اور اگر مرنے والے کی اولاد نہ ہو تو ایسی صورت میں کل ترکے کا 1/4 حصہ بیوی یا بیویوں کو ملے گا جو سب میں برابر تقسیم ہوگا اگر مرنے والے کا کوئی وارث ہے تو باقی ترکہ اسے ملے گا اور اگر کوئی وارث نہ ہو تو ایسی صورت میں مرنے والے کو یہ حق ہوگا کہ وہ باقی رہ جانے والے تمام ترکے کی وصیت کر سکے۔

اگر کہیں ایسی صورت حال ہو کہ مرنے والے کے ایسے بھائی بہن بھی ہوں جو صرف اس کے ماں جائے یعنی ان کی ماں اور مرنے والے کی ماں تو ایک ہی ہو لیکن باپ الگ الگ ہوں اگر ایک بھائی یا ایک ہی بہن ہو تو اس صورت میں بھائی اور بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گے اور اگر بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو کل ترکہ کے 1/3 میں وہ سب شریک ہوں گے جبکہ وصیت پوری کر دی گئی ہو اور قرض ادا کر دیا گیا ہو یہی اللہ کا حکم ہے اور حدود اللہ ہے اگر ان قوانین کی کسی بھی طرح

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

خلاف ورزی کی گئی تو خلاف ورزی کرنے والا اللہ کی گرفت سے نہیں بچ سکے گا اور وہ اللہ کے باغیوں میں شمار ہوگا اس کے لئے رسوا کن سزا ہے اسے آگ میں ڈالا جائے گا یہی حکم سورہ النساء کی آیت ۱۳ اور ۱۴ میں آیا ہے یہ آیات اپنے مضمون کے اعتبار سے بڑی خوف دلانے والی ہیبت طاری کرنے والی ہیں۔ان میں ایسے تمام لوگوں کو آگاہ کیا جارہا ہے جو اپنے طور پر اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے قانون وراثت کو اپنی مرضی ومنشاء سے تبدیل کرتے ہیں یا اس قانون وراثت کی مقرر کردہ حدود کو توڑتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین میں واضح طور پر مقرر کردی ہیں اس آیت میں سخت ترین سزا کی وعید سنائی گئی ہے۔

اسلام نے وراثت کے جو قوانین اور قاعدے مقرر کئے ہیں وہ تمام دنیا کے مذاہب کے قواعد وراثت سے الگ اور منفرد ہیں اس میں کسی کی کسی بھی طرح نہ تو حق تلفی ہوتی ہے نہ کسی کے ساتھ ظلم وزیادتی کا امکان ہے۔ یہ قاعدے قانون بڑے ہی نازک اور دقیق اصولوں پر مبنی ہیں جو اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ یہ سب کے سب قانون الٰہی ہیں اور اللہ تعالیٰ جو ہمارے ماں باپ سے بھی کہیں زیادہ مہربان اور شفیق ہے وہ کسی کے ساتھ نہ ظلم کرتا ہے نہ ہونے دیتا ہے یہ تو ہمارے اپنے بداعمال ہوتے ہیں جن سے ہمیں سزا یا سختی کا احساس ہوتا ہے۔

یہ بات بھی خصوصی توجہ چاہتی ہے کہ اگر مرنے والے نے کوئی وصیت نہیں چھوڑی ہو تو گویا مرنے والے کی یہ معنوی ہدایت ہوگی کہ ورثا کو اس نسبت سے ترکہ دیا جائے جس نسبت سے احکام الٰہی میں موجود ہے، ہاں اگر اس نے اپنے ترکہ کے لئے کوئی وصیت کی ہوتی تو پہلے اس پر عمل ہوتا۔ اسلامی تقسیم زر کا ایک عام اصول یہ ہے دولت کو بہت سے لوگوں میں تقسیم ہونا چاہیے اور کسی ایک شخص تک محدود ہونا غلط ہے۔ یہ بہترین اصول اکثر مذاہب اور قوموں نے نظر انداز کردیئے ہیں اس وجہ سے ان کے قانون وراثت میں بڑی ناانصافی اور خلاف عمل احکام شامل ہوگئے ہیں جیسا کہ عیسائیوں میں صرف بڑے بیٹے کو جائداد ملتی ہے باقی بھائیوں کو کچھ نہیں ملتا اگر ملتا تو معمولی حصہ۔ ایسے ہی ہندوؤں میں صرف اولاد ذکور یعنی صرف مرد یعنی بیٹے ترکے کے حق دار ہوتے ہیں بیٹیاں اور بیوی محروم رہتے ہیں اور والدین کو بھی کچھ نہیں ملتا اور بہن بھائی کو بھی کچھ نہیں ملتا۔ جبکہ اسلام نے انسان کے تمام رشتوں کا اور رشتہ داروں کا احترام کیا اور ان کے حق کی حفاظت کی ہے ہر ایک کا نا صرف حق مقرر کردیا گیا اور اسے تاکید کے ساتھ ادا کرنے کا حکم بھی دیا اور احکام الٰہی کو نہ ماننے

فضل العالم علی العابد کفضلِ القمرِ علی سائرِ الکواکب (سنن ابوداود وترمذی)

والوں سخت وعید وسزا بھی سنادی کہ اگر وہ قانون وراثت پر حکم الٰہی کے مطابق عمل نہیں کریں گے تو ان کا حشر کیا ہوگا۔

امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ کے نزدیک قانون وراثت جو ایک نہایت اہم قانون ہے مرنے والے اور اس کے ورثا کے تعلق کی اہمیت وقعت کو مدنظر رکھتے ہوئے، جسے تین درجوں میں قرآن کریم نے مقرر کیا ہے۔ ذوی الفروض۔عصبات۔ذوالارحام۔اور خاص کر ذوی الارحام کا ذکر کئی آیتوں میں ملتا ہے۔امام اعظمؒ نے ان تینوں مراتب کو اپنے فقہ میں قائم رکھا ہے کیونکہ یہ قرآنی نص سے ثابت ہے اس لئے ان میں کسی قسم کی کمی بیشی و ترمیم ممکن نہیں ہے لیکن امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے یہاں تیسرے درجے ذوی الارحام کو سرے سے ہی خارج کردیا۔ چنانچہ ان کے نزدیک مرنے والے کے نانا بھتیجے، بھانجے وغیرہ کسی طرح بھی وراثت نہیں پا سکتے۔ ان کے یہاں صرف ذوی الفروض اور عصبات ہی حق دار ہیں۔امام ابوحنیفہؒ کا استدلال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو طریقہ بتایا ہے وہی شرعی اور جائز ہے اسی کو نافذ ہونا چاہیے۔

آئمہ، اربعہ اور خصوصاً حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی اجتہادی کوششیں اور فقہی معاملات دیگر مذاہب کے لوگوں پر بھی براہ راست اثر انداز ہو رہی ہیں گو کہ وہ زبان سے اپنی اسلام دشمنی کے باعث اقرار نہیں کرتے لیکن اسلامی اقدار و اصلاحات کو اپنا کر ان کا عملی اقرار کر رہے ہیں یعنی جو لوگ اسلام کے علاوہ دوسری شریعتوں کے پیروکار ہندو، عیسائی، یہودی اگر ہم انسانی زندگی کے چار اہم ترین مسائل پر تقابلی نظر ڈالیں تو انہیں اپنے مذاہب کے خلاف اسلامی اقدار کو ماننے والا پاتے ہیں۔(۱) وراثت (۲) طلاق وخلع (۳) تعداد ازواج (۴) نکاح بیوگان۔

(۱) وراثت سے متعلق ابھی تک وہ اصلاح نہیں ہوسکی جو اسلامی تعلیم کا مقصد ہے درحقیقت آج دنیا میں جس قدر انتشار سیاسی طور پر، اقتصادی طور پر پایا جاتا ہے اس کی وجہ سرمائے کا چند ہاتھوں میں جمع ہونا ہے اگر دنیا کے دیگر مذاہب بھی اسلام کے قانون وراثت کو تسلیم کرلیں تو سرمایہ زیادہ عرصے تک کسی خاص شخص یا خاندان کے تصرف میں نہیں رہ سکے گا گو آج مسلمان بھی وراثت کے اسلامی قانون پر اس طرح اس قدر عمل نہیں کر رہے ہیں جیسا کہ اس کا حق ہے لیکن پھر بھی دیگر اقوام اور مذاہب سے بہتر ہیں۔ آج ترقی پسند ہندو ملکی قانون کی مدد لے کر عورتوں کو وراثت میں حصہ دلوانے کی کوشش کر رہے ہیں جبکہ ان کے مذہب میں عورت کا

مال و جائداد میں کوئی حق نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ ہندو ملکی قانون میں اتنی وسعت و گہرائی نہیں ہے جیسی کہ اسلام کے قانون وراثت میں موجود ہے لیکن یہ کم بات نہیں کہ کسی بھی طرح کیسی ہی سوچ کے ساتھ اپنی ترقی پسندی کے نام پر ہی سہی اسلامی اقدار کی طرف قدم بڑھانے پر آمادہ تو ہو رہے ہیں کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا یقیناً بہتر ہوتا ہے۔ ایسے ہی یہودی اور عیسائیوں میں بھی عورت کو جائیداد میں بحثیت وارث کوئی حصہ نہیں ہوتا عام حالات میں صرف اولاد نرینہ یعنی لڑکا وہ بھی پہلا بیٹا وارث حقیقی ہوتا ہے اور اگر اس کے اور بھائی ہوں تو انہیں پہلے کی نسبت آدھا حصہ ملتا ہے۔ عیسائیت میں عورت کی وراثت کے بارے میں بالکل کچھ نہیں کہا گیا۔ عورت کے حق وراثت کے بارے میں خاموش ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں یہودی مذہب کے مطابق وراثت تقسیم ہوتی ہے اب نئے اور موجودہ قانون وراثت کے مطابق امریکہ اور یورپ میں اگر کسی عورت کا شوہر مر جائے تو اس کے تمام ترکے کی وارث صرف بیوی ہوتی ہے اور شوہر کی اولاد اور خود اس عورت کی اولاد ترکے سے محروم رہ جاتی ہے اور اگر عورت مر جاتی ہے تو ایسے ہی تمام ترکہ اس کے شوہر کو مل جاتا ہے اس طرح اولاد کے حقوق بری طرح پامال ہوتے ہیں۔

(۲) اسلام کے سوا کسی بھی مذہب میں تعداد ازواج پر کوئی پابندی عائد نہیں تھی۔ ہندو دھرم اور یہودیت میں تو تعداد ازدواج کی کوئی قید نہیں۔ ہندو کہنے کو تو ایک بیوی کے اصول کو مانتے نظر آتے ہیں ایسا ملکی قانون کے باعث نظر آتا ہے اس سے پہلے مذہبی طور پر ایسی کوئی پابندی نہیں تھی ان کی ویدوں میں ایسے مناظر کثرت سے موجود ہیں۔ یہودیوں نے بھی اسلامی قانون کے مطابق چار کی قید عائد کر لی ہے۔ یہ قطعی طور پر اسلامی قانون ہے اس سے پہلے ان کے یہاں بھی بیویوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہیں تھی۔

(۳) بیسویں صدی سے قبل تک ہندو اور یہودیوں میں نیوگ کے نام سے ایک رسم رائج تھی (نیوگ کی رسم میں مرنے والے کی بیوہ سے مرنے والے کی اگر کوئی اولاد نہیں ہوتی بالخصوص بیٹا تو وہ عورت اپنے شوہر کی زندگی میں ہی شوہر کی اجازت و مرضی سے کسی دوسرے مرد سے مقاربت کے بعد اولاد پیدا کرتی تھی اور اگر عورت میں خرابی ہوتی تو مرد کسی دوسری عورت سے بغیر نکاح کے اولاد پیدا کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اگر کسی بیوہ ہونے والی عورت کی اولاد خصوصاً لڑکا نہیں

ہوتا تھا تو وہ مرنے والے خاوند کے جانشین کو پیدا کرنے اس کے لئے کسی قریبی رشتہ دار مرنے والے کے بھائی کی طرف رجوع کرتی تھی بغیر نکاح کے اور قانونی بندھن کے نیوگ کے ذریعہ اولاد پیدا کرنے سے ہندو اعتقاد کے مطابق مرنے والے کی نجات ومغفرت ہوتی ہے) اس قانون نیوگ میں مرنے والے کی عورت بھی اس کے ترکے کا حصہ یعنی جائیداد و ملکیت مانی جاتی تھی۔ کسی کے فوت ہو جانے پر اس کے ترکے کا وارث اگر اس کا بھائی یا کوئی دوسرا قریبی رشتہ دار ہوتا تو دوسری املاک و جائیداد کی مانند اس کی بیوہ عورت بھی وارث کو مل جاتی تھی تمام مذاہب میں مرنے والے کا قریبی رشتہ دار اس کا بھائی ہی ہوتا تھا اس لئے نیوگ کا سب سے پہلا حق دیور کو دیا جاتا تھا۔ یہودیت میں بھی نیوگ کا پہلا حق دیور یعنی مرنے والے کے بھائی کا ہی ہے آریہ سماج میں نکاح بیوگان حرام ہے اور زنا کے مترادف ہے اس کی جگہ بیوہ عورت نیوگ کرسکتی تھی لیکن اب بیسویں صدی میں آریہ سماج بھی بیواؤں کے نکاح ثانی کی تبلیغ کر رہے ہیں اور بیوہ عورت کو دوسرا نکاح کرنے کی اجازت دی جارہی ہے یہ اقدام یقیناً اسلامی اقدار سے متاثر ہونے کی نمایاں علامت ہے۔

(۴) ہندوؤں اور عیسائیوں کے ہاں طلاق کا کوئی رواج ہی نہیں تھا عورت ایک بار کسی مرد سے نکاح کر لیتی تو مر کر ہی اس سے جان چھوٹتی تھی ایسا ہی یہودیت میں تھا لیکن آج ہندو عیسائی اور یہودی سب کے سب طلاق کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کی اجازت دیتے ہیں ہندوؤں نے بھی قانون کی مدد سے طلاق وخلع کی اجازت حاصل کر لی ہے۔ عیسائیوں میں رومن کیتھولک مذہب طلاق کے خلاف تھا اس پر ان میں بغاوت پیدا ہوئی اور پروٹسٹنٹ فرقے نے جنم لیا اور طلاق کی اجازت دے دی جس سے بڑی عجیب اور مضحکہ خیز صورت حال پیدا ہو گئی جس طرح سے یورپ اور امریکہ کی عدالتوں میں درخواستیں دی جاتی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ عیسائیوں نے نکاح کو کھیل بنالیا ہے اب خود عیسائی مشنریز نکاح طلاق کے قوانین میں اصلاح کے خواہش مند ہیں اور کوشش کر رہے ہیں اس لئے امید کی جاسکتی ہے کہ کچھ مدت گزرے گی کہ انہیں اسلامی قانون طلاق وخلع پر عمل پیرا ہونے میں ہی عافیت نظر آنے لگے گی۔ یہودیوں میں تو طلاق کا بالکل اسلامی طریقہ رائج ہو چکا ہے۔

اگر چہ ہندو، عیسائی، یہودی زبانی طور پر اسلام کی حقانیت اور اس کے قوانین کی اہمیت و

مضبوطی کا اقرار تو نہیں کرتے لیکن اپنے عمل سے انہوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کے مذہبی مسائل کا حل ان کے مذہب کی تحریف شدہ کتابوں میں نہیں اور اگر کچھ ہے بھی تو وہ زمانے سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ان کے مسائل کا حل بھی درحقیقت اسلام میں ہی ہے۔ قرآن حکیم نے یہ جو وعدہ کیا کہ ''پہلی شریعت یا وحی منسوخ نہیں کرتے یا اسے لوگوں کے دل سے فراموش یا محو نہیں کرتے جب تک اس کی جگہ اس سے بہتر یا کم از کم اس جیسی شریعت نہیں لے آتے۔'' وہ وعدہ پورا ہو رہا ہے۔

آئمہ اربعہ اور خصوصاً امام ابو حنیفہؒ کا اسلامی فقہ کا کارنامہ اتنا اہم اور بڑا ہے کہ دیگر مذاہب کے لوگوں پر اسلام کی اہمیت وقعت وقت کے ساتھ ساتھ ثابت ہو رہی ہے۔ آئندہ صفحات میں امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ایسے واقعات پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو انہیں پیش آئے اور جن کا فقہی حل انہوں نے فوری کی فوری پیش کر دیا اور لوگوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔

حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو پیش آنے والے واقعات اور امام کی فراست

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا کہ ایک شخص کے دو درہموں کے ساتھ دوسرے شخص کا ایک درہم مل گیا پھر ان میں سے دو درہم گم ہو گئے لیکن یہ معلوم نہیں کہ کون سے ضائع ہوئے جو درہم باقی بچا ہے اس کی تقسیم کیسے ہو گی۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا جو درہم باقی بچا ہے وہ اثلاث کے طریقہ پر تقسیم ہو گا یعنی جس کے دو درہم تھے اس کو دو حصے اور جس کا ایک درہم تھا اسے ایک حصہ ملے گا۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کہتے ہیں کہ پھر ابن شبرمہؒ کے پاس گیا ان سے بھی یہی مسئلہ دریافت کیا انہوں نے پوچھا کیا یہ مسئلہ کسی اور سے بھی پوچھا ہے تو میں نے کہا ہاں ابو حنیفہؒ سے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ انہوں نے فرمایا ہو گا کہ درہم بطریق اثلاث تقسیم ہو گا۔ میں نے کہا ہاں۔ وہ کہنے لگے کہ اللہ کے بندے نے غلطی کی پھر فرمایا جو درہم گم ہوئے ان میں ایک یقینی طور پر دو درہم والے کا تھا۔ دوسرا دونوں کا اور تیسرا بھی، ان دونوں کے درمیان نصف ونصف تقسیم ہو گا۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے اس جواب کو پسند کیا۔ پھر میں امام ابو حنیفہؒ سے ملا تو امام صاحب نے

☆ قال الامام الشافعی رحمه الله تعالی : امن الناس علیّ فی الفقه محمد بن حسن ☆

مجھ سے پوچھا کہ تم ابن شبرمہؒ سے ملے تھے اور اس نے تمہیں درہم کی تقسیم نصف ونصف بتائی ہے۔ میں نے کہا جی ہاں۔

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا جب تین درہم آپس میں خلط ملط ہو گئے تو ان میں شراکت لازم ہو گی اور ایک درہم والے کے لئے ہر درہم میں ایک تہائی ہو گا اور دو درہم والے کا ہر درہم میں دو تہائی ہو گا۔ اس لئے جو درہم گم ہو گئے وہ دونوں کے اپنے اپنے حصے کے بہ قدر کم ہوئے اور باقی جو رہا وہ بھی اپنے اپنے حصے کے بہ قدر رہا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرا بھائی فوت ہو گیا ہے اس نے میراث میں چھ سو دینار چھوڑے ہیں لیکن مجھے صرف ایک دینار ملا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے عورت سے دریافت کیا کہ میراث کس نے تقسیم کی؟ اس نے کہا داؤد طائی نے۔ اس پر آپ نے فرمایا تیرے لئے صرف اتنا ہی حصہ ہے۔

امام صاحب نے عورت سے پوچھا کیا تیرے بھائی نے دو بیٹیاں، ماں، بیوی اور بارہ بھائی اور ایک بہن اپنے پیچھے چھوڑی ہیں۔ عورت نے کہا ہاں۔ اس پر آپؒ نے فرمایا کہ دو ثلث یعنی چار سو دینار دو بیٹیوں کے چھٹا حصہ یعنی سو دینار ماں کا اور ایک ثمن یعنی پچھتر دینار بیوی کے اور باقی بچ جانے والے پچیس دینار رہ گئے تو مرد کا چونکہ عورت سے دوگنا حصہ ہوتا ہے اس لئے بارہ بھائیوں کے چوبیس دینار ہر ایک دو دو دینار ملیں گے اور عورت کو ایک دینار جو تجھے ملا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ ایک مرتبہ ایک سید کے بیٹے کے جنازے میں شریک تھے اس میں کوفے کے بڑے بڑے لوگ اور علماء (قاضی وغیرہ) بھی شریک تھے کہ لڑکے کی ماں شدت غم کے باعث ننگے سر اور کھلے چہرے باہر نکل آئی اور اپنا دوپٹہ اپنے بیٹے کے جنازے پر ڈال دیا۔ جب لڑکے کے باپ اور اس عورت کے شوہر نے یہ دیکھا وہ اسے اپنی بے عزتی سمجھ کر غصہ ہوا اور کہنے لگا اگر تو اسی جگہ سے نہ لوٹے تو تجھے طلاق یہ سن کر عورت کو بھی غصہ آ گیا اور اس نے قسم کھالی کہ اگر میں نماز جنازہ سے پہلے لوٹوں تو میرے سارے غلام آزاد، جنازہ ابھی راستے میں ہی تھا یہ سب سن کر لوگ رک گئے۔ اس شخص نے جس کے بیٹے کا جنازہ تھا امام ابوحنیفہؒ کو اپنی اور اپنی بیوی کی قسم کے بارے میں بتایا۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس سے کہا کہ اپنی بات دوبارہ کہہ جب اس نے دوبارہ اپنی بات دہرادی تو امام صاحبؒ نے فرمایا کہ جنازے کی نماز کے لئے یہیں صفیں درست کرلو اور جو لوگ آگے

☆☆☆ میں نے امام شافعی سے زیادہ کسی کو عقل والا نہیں پایا (ابوعبید) ☆☆☆

جا چکے ہیں انہیں یہیں بلالو پھر نماز جنازہ وہیں پڑھنے کا حکم دیا جب نماز جنازہ پڑھ لی گئی تو امام صاحبؒ نے عورت کو گھر لوٹ جانے کا حکم دیا اس طرح نہ اسے طلاق ہوئی اور نہ اس کے غلام ہی آزاد ہوئے کیونکہ عورت اپنے شوہر کی قسم کے مطابق اسی جگہ سے لوٹ گئی جبکہ عورت کی قسم بھی پوری ہوگئی۔ وہ نماز جنازہ کے بعد گئی امام اعظم ابو حنیفہؒ کا یہ فیصلہ دیکھ کر قاضی ابن شبرمہؒ چلا اٹھے۔ اے حنیفہؒ اب عورتیں تجھ جیسا بچہ جننے سے عاجز آگئیں تیرے علم سے مسئلے نکالنے میں کوئی مشقت نہیں۔

ایک مرتبہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ دیگر علمائے شہر کے ساتھ ایک ولیمہ میں شریک تھے جہاں دو بہنوں کا نکاح دو بھائیوں کے ساتھ ہوا تھا۔ کچھ دیر ہی ہوئی تھی کہ صاحب خانہ چیختا چلاتا باہر آیا اور بتانے لگا کہ بڑی مصیبت پیدا ہوگئی۔ رات دونوں دلہنیں تبدیل ہوگئیں اور ان سے دونوں لڑکوں نے صحبت کر لی۔ (یعنی اپنے بھائی کی بیوی سے ہم بستر ہوا) اس مجلس ولیمہ میں حضرت سفیانؒ بھی موجود تھے لوگوں نے ان سے دریافت کیا تو فرمایا کہ کوئی بات نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسے ہی معاملے میں حضرت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو فتوئی میں فرمایا تھا کہ عورت پر صحبت (ہم بستری) کی وجہ سے مہر لازم ہوگیا اور ہر عورت اپنے شوہر کے پاس لوٹ جائے لوگوں نے ان کے جواب کو پسند کیا اس پر محفل میں حضرت مسعر بن کدامؒ بھی بیٹھے تھے۔ انہوں نے امام ابو حنیفہؒ سے فرمایا آپ کی کیا رائے ہے۔ حضرت سفیانؒ نے کہا یہ اس کے خلاف اور کیا کہیں گے۔

امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ دونوں لڑکوں کو بلالاؤ جب دونوں لڑکے حاضر ہو گئے تو امام صاحبؒ نے ہی ایک سے پوچھا کہ جس لڑکی سے تو نے صحبت کی ہے وہ تجھے پسند ہے۔ انہوں نے کہا۔ ہاں۔ پھر انہوں نے لڑکے سے پوچھا اس لڑکی کا کیا نام ہے جو تیرے بھائی کے پاس ہے اس نے نام بتا دیا اس پر امام صاحب نے فرمایا اس کا نام لے کر کہو کہ میں نے اسے طلاق دی۔ اس طرح دونوں بھائیوں نے اپنی منکوحہ لڑکی کو طلاق دے دی۔ اس کے بعد امام صاحبؒ نے فرمایا اب تم نے جس لڑکی کے ساتھ رات بسر کی ہے اس سے نکاح کر لو۔ لوگوں نے اس جواب کو سفیانؒ کے جواب سے زیادہ پسد کیا وار فرط مسرت سے محدث مسعر بن کدامؒ نے اٹھ کر امام صاحبؒ کی پیشانی چوم لی۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کے سامنے قسم کھائی ہے کہ میں تجھ سے اس وقت تک نہیں بولوں گا جب تک تو از خود مجھ سے نہ بولے۔ اس بات پر میری بیوی نے بھی قسم کھالی کہ میں تجھ سے اس وقت تک نہیں بولوں گی جب تک

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

تو مجھ سے نہیں بولے گا۔ امام صاحب نے فرمایا تم دونوں میں سے کسی پر بھی کفارہ نہیں کیونکہ قسم نہیں ٹوٹی۔ جب امام صاحبؒ کے اس فتویٰ کی خبر حضرت سفیان ثوریؒ کو ہوئی تو وہ حضرت امام ابوحنیفہؒ پر ناراض ہوئے اور فرمایا تم غلط فتویٰ دیتے ہو اس پر کفارہ آئے گا۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا حضرت جب اس کی بیوی نے اس شخص کی قسم اٹھانے کے بعد قسم کھائی تو اس طرح اس نے کلام تو کرلیا۔ (اپنے شوہر سے بات کرلی) جس سے اس کی قسم ختم ہوگئی اب اگر وہ اپنی بیوی سے بات چیت کرے گا تو اس پر کفارہ نہیں آئے گا اور نہ ہی وہ گناہ گار ہوگا کیونکہ عورت کا کلام کرنا قسم کے بعد تھا یوں قسم خود بہ خود ختم ہوگئی۔

ایک شخص حضرت امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں شکایت لے کر حاضر ہوا کہ میں نے اپنی ایک امانت فلاں شخص کے پاس رکھوائی تھی لیکن اب وہ واپس کرنے سے منکر ہوگیا ہے۔ اب میں کیا کروں۔ آپؒ نے اسے تسلی دی اور فرمایا اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا پھر آپؒ نے اس شخص کو بلایا جس کے پاس امانت رکھی گی تھی۔ آپؒ نے اسے سے علیحدگی میں فرمایا کہ حکومت نے مجھ سے ایک آدمی طلب کیا ہے جس میں قاضی بننے کی صلاحیت ہو کیا تو اس کے لئے تیار ہے؟ وہ شوچنے لگا امام صاحبؒ نے اسے ترغیب دی وہ جب چلا گیا تو امام صاحبؒ نے امانت رکھوانے والے سے کہا تو اب جا کر اس سے کہہ کہ جناب شاید آپ بھول گئے ہوں میں نے آپ کے پاس اپنی امانت رکھوائی تھی جس کی نشانی یہ تھی۔ امانت رکھنے والے نے شوچا اگر میں اس کی امانت واپس نہیں کرتا تو خائن ثابت ہو جاؤں گا اور قاضی کا عہدہ مجھے نہیں مل سکے گا اس لئے اس نے فوراً ہی امانت لوٹا دی۔ اس کے بعد وہ شخص امام صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ امام صاحبؒ اسے قاضی بنوا دیں امام صاحبؒ نے اس سے کہا۔ ذرا صبر کر میں تجھے اس سے بھی بڑا عہدہ پر فائز کرا دوں گا جب تک کوئی بڑا عہدہ خالی نہیں ہوتا میں تیرا نام نہیں لکھواؤں گا (اس تدبیر سے غریب کی امانت اسے مل گئی)

حضرت لیث بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ میں مکہ شریف میں تھا کہ ایک مجمع میں امام ابوحنیفہؒ سے ایک مال دار شخص نے سوال کیا کہ میں اپنے بیٹے کی شادی پر بڑا مال خرچ کرتا ہوں لیکن وہ طلاق دے دیتا ہے اور اگر باندی خرید کر دوں تو آزاد کر دیتا ہے میرا بڑا مال ضائع ہو جاتا ہے۔ مجھے کوئی تدبیر ایسی بتائیں کہ میرا مال ضائع نہ ہو۔ اس پر امام صاحبؒ نے فرمایا اپنے بیٹے کو غلاموں کے بازار میں لے جاؤ اور جو باندی اسے پسند ہو خرید کر اس کا نکاح کر دو۔ اگر وہ اسے طلاق دے گا تو تیری

باندی تیری پاس لوٹ آئے گی اور اگر آزاد کرے گا تو اس کی آزادی نافذ نہیں ہوگی کیونکہ وہ باندی اس کی ملکیت نہیں ہوگی۔

ایک بار خلیفہ منصور کے دربار میں ابو حنیفہؒ کے ایک دشمن نے امام صاحب سے خلیفہ کے سامنے ایک سوال پوچھا کہ امیر ہمیں حکم دیتا ہے کہ فلاں شخص کی گردن اڑا دو ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ فیصلہ حق ہے یا نہیں، کیا ہم بغیر تحقیق کے قتل کر دیا کریں؟ امام صاحب نے سوال کرنے والے سے سوال کیا کہ ہمارا امیر فیصلہ صحیح کرتا ہے یا غلط؟ اس نے کہا امیر فیصلہ صحیح کرتا ہے۔ امام صاحبؒ نے فرمایا صحیح فیصلہ نافذ ہونا چاہیے اس کے لئے تحقیق کی ضرورت نہیں۔ وہ شخص چونکہ امام صاحب سے دشمنی رکھتا تھا اس لئے یہ سوال امام صاحبؒ کو پھنسانے کی غرض سے کیا تھا اس کی سمجھ کے مطابق اگر امام صاحبؒ یہ کہتے جائز ہے تو وہ کہتے کہ جائز نہیں دونوں طرح فیصلہ غلط ہوتا تو امیر غصہ ہو کر امام صاحبؒ کو قتل کروا دیتا۔ لیکن امام صاحبؒ کی فراست نے الٹا اسے ہی پھنسا دیا۔

ایک شیعہ (رافضی) امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ صحابہؓ میں کون سب سے بڑا بہادر تھا؟ امام صاحبؒ نے فرمایا اہل سنت کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ بڑے بہادر تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ خلافت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حق ہے۔ اس لئے وہ اُن کے سپرد کر دی گئی۔ لیکن تمہارے نزدیک (شیعوں کے) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بڑے بہادر تھے کیونکہ تم لوگ کہتے ہو کہ خلافت پر حضرت علی اللہ وجہ کا حق تھا لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جبراً چھین لی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے خلافت نہ لے سکے یہ سن کر سوال کرنے والا شیعہ حیران رہ گیا۔

امام اعظم حضرت ابو حنیفہؒ سے ایک شخص نے مسئلہ پوچھا کہ وہ شخص کیا کرے جس نے یہ قسم اٹھائی ہو کہ (اگر آج کے دن میں غسل جنابت کروں تو میری بیوی کو طلاق، اور اگر آج میری کوئی نماز قضا ہو جائے تو تب بھی طلاق اور اگر آج دن میں اپنی بیوی سے رجوع نہ کروں (ہم بستری) تو بھی طلاق۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے جب یہ مسئلہ سنا تو فرمایا پہلے کا حل نہایت آسان ہے وہ شخص عصر کی نماز پڑھ کر اپنی بیوی سے صحبت (ہم بستری) کرے پھر غروب آفتاب کے بعد غسل کر لے پھر مغرب کی نماز پڑھ لے کیونکہ آج دن سے پانچ نمازیں مراد ہیں۔

ایک شخص نے امام اعظمؒ سے پوچھا کہ ایک شخص کی بیوی سیڑھی پر چڑھ رہی تھی اور سیڑھی

کے درمیان پہنچ چکی تھی کہ اس کے شوہر نے اس سے کہا کہ اگر تو اوپر چڑھی تو طلاق اور اگر نیچے اترے تو طلاق اب وہ عورت کیا کرے؟

امام صاحبؒ نے فرمایا کہ چند افراد مل کر سیڑھی اٹھا کر زمین پر رکھ دیں یا پھر چند عورتیں زبردستی بغیر عورت کی مرضی کے اسے اٹھا کر نیچے لے آئیں۔

ایک عورت امام صاحبؒ کے پاس آئی اور کہا کہ میرے شوہر نے کہا ہے کہ اگر میں نے ایسی ہانڈی نہیں پکائی جس میں ایک پاؤ نمک ڈالو لیکن اس نمک کا اثر کھانے میں ظاہر نہ ہو، ورنہ تجھے طلاق۔ اس پر امام صاحبؒ نے فرمایا ہانڈی میں انڈے پکا اس میں ایک پاؤ یا اس سے بھی زیادہ نمک ڈال دے۔ اس طرح تیرے شوہر کی قسم بھی پوری ہو جائے گی اور تجھے طلاق بھی نہیں ہوگی۔

ایک بار امام اعظم حضرت ابو حنیفہؒ کو قتل کرنے کی نیت سے دھریوں کا ایک گروہ آیا (جو اللہ کو نہیں مانتے آج کل جنہیں ہم دہریہ کہتے ہیں) امام صاحبؒ سے کہنے لگے کہ تم مخلوق کے خالق کے قائل ہو۔ امام صاحبؒ نے فرمایا پہلے تو مناظرہ کرو پھر جو تمہارا ارادہ ہو کر لینا اس پر گروہ کے لوگوں نے کہا۔ ٹھیک ہے۔ امام صاحبؒ نے فرمایا یہ بتاؤ کہ ایسی کشتی جو سامان سے خوب بھری ہو اور سمندر میں بھی طوفانی لہریں اٹھ رہی ہوں کیا بغیر ملاح کے چل سکتی ہے۔ اس پر گروہ کے لوگوں نے کہا نہیں یہ ممکن ہی نہیں ہے۔

ان کی بات سن کر حضرت امام صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ دنیا جس میں تبدیلی اور اس کے احوال کو بدلنا اور اس کے تمام امور کا تغیر وغیرہ سب کسی ہستی اور مدبر کے بغیر ہی چل رہے ہیں۔ امام صاحبؒ کی بات سب کر دھریوں کے گروہ نے اپنی تلواریں اپنی نیام میں ڈال لیں اور توبہ کر لی۔

ایک شخص نے دوسرے ایک شخص کو ایک ہزار دینار کی تھیلی دے کر اسے وصیت کی کہ جب میرا بیٹا بڑا ہو جائے تو جو تجھے پسند ہو اتنا اس کو دے دینا۔ جب لڑکا بڑا ہوا تو اس شخص نے ہزار دینار خود رکھ کر تھیلی لڑکے کو دے دی۔ لڑکا امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا سنایا۔ امام صاحبؒ نے اس شخص کو بلایا اور سے کہا کہ اس لڑکے کو ہزار دینار دے دو کیونکہ جو انسان کو پسند ہوتا ہے وہی وہ رکھتا ہے اور جو ناپسند ہوتا ہے دے دیتا ہے۔ چونکہ تجھے یہ دینار پسند ہیں جو تو نے روک لئے ہیں جبکہ وصیت یہ ہے کہ جو تجھے پسند ہو، وہ اس لڑکے کو دینا۔ اس پر اس شخص نے ہزار دینار لڑکے کو ادا کر دیئے۔

☆☆☆

ایک عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے کہ چاند کی فضیلت دوسرے تمام ستاروں پر (سنن ابوداود ترمذی)